کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مکہ کے مہاجرین اولین کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ بوقت ہجرت مکہ سے مدینہ خالی ہاتھ آئے تھے۔ اس کا اظہار ہمارے تمام ثانوی مآخذ میں یا تو بصراحت ہوا ہے یا مضمر طور سے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب سیرۃ النبی میں خاص طور سے وضاحت کی ہے کہ "مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سر و سامان آئے تھے۔ گو ان میں دولت مند اور خوش حال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے"۔ اس خیال کا جو لازمی نتیجہ مولانا موصوف نے نکالا وہ یہ ہے کہ "اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانۂ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے تاہم چونکہ بالکل تہی دست تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے ......"[1] یہ نقطۂ نظر ایک فرد واحد کا نہیں ہے بلکہ اس کو ہم مسلم مشرقی رجحان یا نقطۂ نگاہ قرار دے سکتے ہیں کیونکہ تمام جدید مسلم مورخین اور سیرت نگاروں نے کم و بیش یہی نقطۂ نظر اپنایا ہے[2] اس رجحان یا انداز فکر کا ناگزیر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اولاً

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء اول ص ۲۸۴

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، امرتسر ۱۹۲۳ء اول

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

تمام مہاجرین مکہ خالی ہاتھ اور بے سروسامان آئے تھے۔ ثانیاً مدینہ میں ان کا اپنے قیام و طعام کے لئے کلی طور پر انصار کی فیاضی اور مدارات پر انحصار تھا۔ ثالثاً مہاجرین کی مادی ضروریات کی فراہمی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات یا رشتۂ اخوت کا طریقہ اختیار کیا جس کے تحت ایک مہاجر اور ایک انصاری ایسے دینی بھائی قرار پائے جو خون کے سگے بھائی سے بڑھ کر تھے اور جو ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے تھے اور ہوتے تھے۔ رابعاً اصول مواخاۃ کے نتیجہ میں تمام مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کی املاک۔ مکانات، باغات، کھیت وغیرہ کے برابر کے حق دار ہو گئے مگر "جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو.... یہ قاعدہ جاتا رہا ہے۔" اگرچہ مسلم مورخین نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ مہاجرین کی اکثریت نے اپنے پرانے پیشے۔ تجارت۔ کے ذریعہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش آغاز ہجرت سے ہی کر دی تھی تاہم وہ زیادہ تر انصار کے ایثار و سخاوت کے مرہون منت تھے۔

جدید مسلم نقطۂ نگاہ کے متوازی مغربی مصنفین کا زاویہ نظر چلتا ہے۔ ان کے نزدیک تاریخی ترتیب بر واقعات یوں ہے کہ چونکہ مہاجرین مکہ کافی بڑی یا معتدبہ تعداد میں مدینہ کی چھوٹی سی آبادی میں آبسے تھے اس لئے وہ مدینہ کی پہلی سے دگرگوں معیشت پر بوجھ بن کر اقتصادی ابتری کا سبب بن گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس اہم مسئلے کا واحد حل یہ تھا کہ وہ عربوں کی دیرینہ روایتِ غارتگری کو اپناتے۔ یہاں مستشرقین کے دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ کا، جو ابتدائی مستشرقین پر مشتمل ہے، خیال ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی آپ نے یہ متبادل سوچ رکھا تھا[۱] جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ہجرت

ص۸۷، ص۹۰، ص۱۰۷ وغیرہ۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، دہلی ۱۹۷۵ء ص۲۵۲، عبدالصمد رحمانی، پیغمبر عالم دہلی ۱۹۶۱ء ص۲۱۵ وغیرہ، عمر ابوالنصر، نبی امی، اردو ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی، لاہور ۱۹۵۵ء ص۱۲۲-۱۲۸؛ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، سیرت طیبہ، میرٹھ ۱۹۶۷ء ص۱۶۶ اور ص۹۶-۱۹۶۔

۱۲ لیون کیتانی (LEON CAETANI) 'ANNALLIDELL ISLAM

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے بعد آپ نے کاروانِ قریش پر غارتگری کر کے اپنے مفلس مہاجرین کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور پھر اس پر عمل بھی کیا تھا۔[۴] ابتدائی مہمات نبوی کے اقتصادی پہلوؤں[۵] اور عہد نبوی کی مسلم معیشت میں اموال غنیمت کے تناسب[۶] کا جائزہ اس سے پہلے لیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مطالعوں سے یہ بخوبی واضح و ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی مہمات میں خاص کر اور بعد کے غزوات و سرایا میں عام طور سے اقتصادی محرکات تھے ہی نہیں سوائے غزوہ بدر کے جہاں تک اموال غنیمت کے مسلمانوں کی اقتصادی بہتری میں حصہ کا تعلق ہے تو وہ بہت ہی معمولی تھا۔ عہد نبوی کی اقتصادیات کے مطالعہ کے ضمن میں دو اہم مسئلے ابھی تک تشنۂ بحث ہیں۔ ایک یہ کہ کیا تمام مہاجرین مکہ نادار و خالی ہاتھ آئے تھے جیسا کہ مشہور و مقبول خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان مہاجرین نے

کارل بروکلمن HISTORY OF THE ISLAMIC PEOPLES، لندن ۱۹۷۹ء صـ ۲۵، ۲۳، فلپ ہٹی ISLAM : A WAY OF LIFE لندن ۱۹۷۰ء صـ ۱۸-۱۵، ای رایسٹن پائک MUHAMMAD (E. ROYOSTON PIKE) لندن ۱۹۶۸ء صـ ۱۵ اور متعدد دوسرے جیسے مارگولیتھ، ولیم میور وغیرہ۔

[۴] زانسسکو جبریلی MUHAMMAD & THE CONQUEST OF ISLAM لندن ۱۹۶۸ء صـ ۶۸-۶۷، مونٹگمری واٹ، MUHAMMAD AT MEDINA آکسفورڈ ۱۹۶۸ء، صـ ۲۰۹، گرونی بام CLASSICAL ISLAM، لندن ۱۹۷۰ء صـ ۳۴، ۳۵ اور متعدد دوسرے

[۵] ابتدائی مہمات نبوی پر بحث کے لئے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد" برہان دہلی، ماہ دسمبر ۱۹۸۲ء صـ ۲۴-۳۴، ماہ جنوری ۱۹۸۳ء صـ ۳۶، ۲۴ اور آئندہ شمارے۔

[۶] ملاحظہ کیجئے اس موضوع پر خاکسار کا مضمون، تحقیقات اسلامی، سہ ماہی علی گڑھ، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۲ء صـ ۳۴-۱۰

اپنی اقتصادی بہتری کے لئے مدینہ میں کیا عملی قدم اٹھائے تھے؟ موجودہ مطالعہ کو ہم پہلے مسئلہ پر بحث وگفتگو تک محدود رکھ رہے ہیں کہ یہی نقطۂ آغاز ہے۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مہاجرین مکہ میں سے متعدد بلکہ اکثر دولت منداور خوش حال تھے اور ان کی یہ خوش حالی یا کم از کم اقتصادی لحاظ سے اچھی حالت ان کی مقامی یا بین الاقوامی تجارت میں شمولیت کی بنا پر تھی۔ اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کے مختلف خاندانوں سے متعلق سربرآوردہ اور نسبتاً سن رسیدہ مکی مسلمان اوران کے حلفاء اور موالی کافی مالدار یا کم از کم خوش حال تھے۔ بدقسمتی سے ہمارے قدیم اور ابتدائی مورخین وسیرت نگاروں نے مہاجرین کی کوئی مکمل فہرست نہیں دی ہے، تاہم مواخات، طبقاتِ مہاجرین اور فہرست غازیانِ بدر میں جو نام گنائے گئے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر مسلم مہاجرین کا تعلق اول درجہ کے مالداروں میں سے نہ سہی دوسرے یا تیسرے درجہ کے مالداروں میں سے ضرور تھا۔ مسلمانوں میں جو حضرات صحابہ متمول سمجھے جاتے تھے ان میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، حاطب بن ابی بلتعہ، ارقم بن ارقم، عثمان بن مظعون اور متعدد دوسرے ممتاز وفائق تھے۔[۷] ان میں سے بیشتر ایسے تھے جو اپنی دولتمندی کے سبب مکی اشرافیہ واشراف کی نگاہوں کا مرکز تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق جب ایمان

---

[۷] ان صحابہ کرام کی دولتمندی قبل از ہجرت کے لئے دیکھئے: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء، سوم ص ۶۰، ص ۱۵-۱۱۴، ص ۲۶-۱۲۵، ص ۳-۱۷۲، ص ۲۱۵، ص ۴۳-۲۴۲، ص ۲۷۲ وغیرہ، بلاذری، انساب الاشراف، قاہرہ ۱۹۵۹ء اول ص ۲۷، ص ۲۶۱ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرت رسول اللہؐ، انگریزی ترجمہ از الفریڈ گلیوم، لندن ۱۹۵۵ء ص ۱۷-۲۱۶، ص ۲۲۳ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مارگولیتھ MUHAMMAD & THE RISE OF ISLAM لندن ۱۹۰۵ء، ص ۹۶، ص ۱۰۰-۹۹، ص ۱۰۱ وغیرہ، شبلی نعمانی، مذکورہ بالا، دوم ص ۱۹۱ وغیرہ

لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم کی خطیر رقم نقد موجود تھی[۵۸]۔ اور ظاہر ہے کہ مال تجارت اسباب واملاک اس کے علاوہ تھے ۔بلکہ ایک روایت کے مطابق تو ان کے پاس ایک ملین (دس لاکھ) درہم کی رقم نقد موجود تھی[۵۹]۔ مکہ میں عام مسلمانوں کی اعانت اور غریب مسلمانوں کی کفالت پر ہزارہا درہم خرچ کر دیئے تاہم جب انھوں نے ہجرت کی تو پانچ چھ ہزار درہم نقد ساتھ تھے ۔ایک روایت کے مطابق وہ یہ ساری رقم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لئے بچاکر رکھتے گئے تھے اور بوقت ہجرت مدینہ لے کر آئے تھے[۶۰] اسی رقم سے انھوں نے ہجرت کے دوران سفر کے اخراجات کے[۶۱] علاوہ بعد ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان میں سے بعض کے سفر کے اخراجات دئے تھے[۶۲]

---

۵۸ ابن سعد، سوم ص۱۷۲ ، بلاذری، انساب، اول ص۲۶۹

۵۹ الف بار، اول ص۳۱۹ ، بحوالہ مارگولیتھ، مذکورہ بالا ص۱۴

۶۰ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص۲۲۵ میں پانچ چھ ہزار درہم ہے جب کہ ابن سعد، سوم ص۱۷۲ نے پانچ ہزار درہم اور بلاذری 'انساب' اول ص۲۶ نے پانچ یا چار ہزار درہم بتائی ہے ان مختلف روایات سے یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ بوقت ہجرت حضرت ابو بکر صدیق کے پاس اس سے زیادہ بھی رقم رہی ہوگی ۔

۶۱ ابن اسحاق، مذکورہ بالا، ص۲۲۲ ۔ بخاری، الصحیح، باب الہجرۃ، نیز شبلی، اول ص۲۷

۶۲ بلاذری، انساب، اول ص۲۶۹ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو موالی حضرات زید بن حارثہ اور ابو رافع کو اپنی دو دختران نیک اختر حضرات فاطمہ اور ام کلثوم اور زوجہ محترمہ حضرت سودہ کو مکہ سے مدینہ لانے کے لئے بھیجا تھا اور اس مقصد سے حضرت ابو بکر صدیق سے پانچ سو درہم لئے تھے اور ان سے دو اونٹ بھی مستعار یا قرض خریدے تھے ، نیز ملاحظہ ہو شبلی، اول ص۲۸ جنھوں نے یہ واقعہ تو لکھا ہے لیکن یہ تحریر نہیں فرمایا کہ آپ نے یہ رقم کس سے لی تھی ۔

اور مدینہ میں مسلمانوں کے لئے کچھ زمین بھی خریدی تھی[۱۳] اسی طرح حضرت عثمان غنی بلاذری کے مطابق اپنے خطیر اموال میں سے کم از کم سات ہزار درہم مدینہ ساتھ لائے تھے جب کہ باقی مال انھوں نے بھی مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے اور اعانتِ اسلام میں خرچ کر دیا تھا۔[۱۴]

ابن اسحاق نے حضرت عمر فاروقؓ کی ہجرت کا واقعہ بڑے دل چسپ انداز میں بیان کیا اور اسی کے ضمن میں ان کی دولتمندی کا ذکر کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ساری دولت مدینہ لانے میں کامیاب رہے تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرات عمر فاروق، عیاش بن ربیعہ مخزومی اور ہشام بن عاص بن وائل سہمی نے فیصلہ کیا کہ وہ ساتھ ہجرت کریں گے اور مقررہ وقت پر ایک خاص جگہ ملنے کا وعدہ کیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ اگر کوئی شخص وقت مقررہ پر مقام موعود پر نہ پہونچا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ اسے دشمنوں نے روک لیا ہے اور باقی لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ حضرت ہشام سہمی کو ان کے گھر والوں نے ہجرت نہ کرنے دی اور باقی دونوں حضرات (دوسرے ہم سفروں کے ساتھ) اپنے سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور قبا میں آکر دم لیا۔ ابوجہل اور حارث بن ہشام مخزومی نے ان کا پیچھا کیا اور قبا میں ان کو آلیا۔ چونکہ وہ زور زبردستی نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے مکر سے کام لیا اور حضرت عیاش کو ان کے غم میں ان کی ماں کی بیماری اور کھانا پینا وغیرہ ترک کر دینے کی قسم وغیرہ کا ذکر کرکے واپس مکہ چلنے پر راضی کر لیا۔ حضرت عمر نے ان کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ مکر و فریب ہے لیکن وہ اپنی سادہ لوحی اور ماں کی محبت کے سبب نہ مانے۔ مزید ان کو یہ خیال تھا کہ وہ مکہ میں اپنا کافی مال چھوڑ آئے ہیں اسے بھی لے آئیں گے۔ حضرت عمر نے اس پر ان سے کہا کہ وہ اس وقت قریش کے ایک مالدار ترین شخص ہیں[۱۵] اور اگر وہ مکہ جانے

---

[۱۳] ابن سعد، سوم صـ ۱۷۲-۲، مارگولیتھ، صـ ۲۲۔ ملاحظہ ہو شبلی، اول صـ ۲۸۰ جن کا خیال ہے کہ مسجد نبوی کی جگہ کی قیمت حضرت ابوایوب انصاری نے ادا کی تھی۔ [۱۴] بلاذری، انساب، اول صـ ۲۶۱

[۱۵] ابن اسحاق، صـ ۲۱۶-۲۱۷ مگر ابن سعد نے، سوم صـ ۲۷۱-۲ میں حضرت عمر کی ہجرت کا یہ واقعہ تو بیان

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کی ضد سے باز آجائیں تو وہ ان کو اپنا آدھا مال دے دیں گے۔ لیکن حضرت عیاش نے اپنے دولتمند قریشی مہاجر بھائی کی پیش کش قبول نہ کی اور واپس مکہ چلے گئے اور دشمنوں کی قید بلا میں گھر گئے۔ اگرچہ اس روایت میں حضرت عمر کی دولت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ملتا تاہم یہ مسلم ہے کہ وہ کافی خطیر رقم اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔

بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ذرا پہلے تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے اور واپسی پر انھوں نے رسول اکرمؐ اور آپ کے محترم ساتھی حضرت ابوبکرؓ کو جو ہجرت کر رہے تھے سفید کپڑے بطور تحفہ پیش کئے تھے[۱۶] اسی طرح ابن سعد کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی بھی شام سے واپس آئے ہوئے سفر ہجرت کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے اور آپ کو تحفے پیش کئے تھے اور خود مکہ چلے گئے تھے اور وہاں اپنی ضروریات اور فرائض پورے کر کے مدینہ کو ہجرت کی تھی[۱۷] ان دونوں واقعات میں اگرچہ ان دونوں بزرگ صحابیوں کی دولتمندی اور اپنی دولت کے کل یا جز کو مدینہ لانے کا ذکر نہیں ملتا تاہم یہ بلا خوف وخطر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی کل دولت یا کم از کم اس کا بیشتر حصہ اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ اور ان کے برادر خورد عمیر نے ہجرت کے بعد مدینہ میں کسی انصاری

کیا ہے لیکن ان کی دولتمندی یا حضرت عیاش مخزومی کو اپنے آدھے مال کی پیشکش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اول ص ۸۶-۸۷ کے تحت یہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن دولت فاروقی کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے ابن سعد کی روایت پر تکیہ کیا ہے جب کہ شبلی نعمانی نے ہجرت کے باب میں اس واقعہ اور اس سے متعلق دولتمندی فاروق کا سرے سے ذکر نہیں کیا ہے۔

[۱۶] بخاری، الصحیح، باب ہجرۃ النبی، نیز ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، اول ص ۲۷۲ اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اول ص ۱۰۱۔

[۱۷] ابن سعد، سوم ص ۱۷۳ اور ص ۲۱۵۔ نیز دیکھئے: بلاذری، انساب، اول ص ۲۷

کی مہمان بننے کے بجائے اپنے حقیقی بھائی عتبہ کے گھر میں قیام کیا تھا[۱۸] اور بظاہر وہ بھی اپنی دولت پوری کی پوری ساتھ مدینہ لے کر آئے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری اپنے وقت کے مالدارترین آدمی تھے اور ان کی یہ مالداری اسلام کے بعد تجارت کی مرہون منت تو تھی ہی لیکن وہ کسی طور ہجرت سے قبل مفلس یا کم حیثیت شخص نہ تھے۔ ہماری روایات میں عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے اور محض اپنی اقتصادی وکاروباری سوجھ بوجھ اور مہارت کی بنا پر انھوں نے صرف اپنی روٹی روزی کمائی بلکہ چند ہی دنوں میں اتنا سرمایہ جمع کر لیا کہ شادی کر لی اور بہت سی دولت جمع کر لی۔ اس غلط فہمی کا شکار ہمارے تمام جدید مورخین وسیرت نگار مسلم وغیر مسلم دونوں ہوئے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مکہ کے ممتاز نوجوان تاجروں میں تھے۔ ابن حجر کے مطابق وہ رباح نامی ایک تاجر کے شریک ورفیق تجارت تھے اور اپنی ایمانداری اور دیانت کے سبب الامین کہلاتے تھے[۱۹]۔ ابن سعد اور بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی دور حیات میں حضرات عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان تجارتی تعلقات تھے اور حضرت عثمان حضرت عبدالرحمٰن کو "مضاربت" پر مال دیتے تھے اور اس تجارتی شراکت میں دونوں برابر کے منافع کے سہیم ہوتے تھے[۲۰]۔ مکہ کے اس اقتصادی پس منظر میں یہ قیاس کرنا بالکل صحیح ہے کہ وہ کافی دولتمند تاجر تھے اور یہ بھی قیاس حق بجانب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کے وقت کافی مال اپنے ساتھ لائے ہوں گے حالانکہ ہمارے مآخذ میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ جس طرح کہ ان کی ناداری یا مفلسی کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ ہجرت کے بعد

---

۱۸ ابن سعد، سوم ص ۱۳۹ ۱۹ اصابہ ذکر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نیز ملاحظہ ہو: مارگولیتھ ص ۱۰۰-۹۹ ۲۰ ابن سعد، سوم ص ۶۰، بلاذری، انساب ص ۲ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ، اول ص ۱۰۳۶ اور مارگولیتھ ص ۹۶۔

انھوں نے مدینہ کے مالدار ترین شخص حضرت سعد بن ربیع کے گھر قیام کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رشتۂ اخوت میں باندھ دیا تھا۔[21] بعد کے سوانح نگاروں نے وہ مشہور عام واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت عبدالرحمٰن کی مفلسی کا تاثر ملتا ہے۔ حضرت سعد بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے گھر لے جا کر اپنے تمام مال واسباب کا جائزہ دے کر نہ صرف اس کا نصف پیش کیا بلکہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اس کو ان کے نکاح میں دینے کی بھی پیشکش کی۔ لیکن انھوں نے کچھ نہ قبول کیا بلکہ شکریہ ادا کر کے شہر کے بازار کا راستہ پوچھا۔ انھوں نے بنو قینقاع کا بازار جا کر دکھا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کچھ گھی اور کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت میں لگے رہے اور جب گھر لوٹے تو گھی اور پنیر کا ایک ڈبہ نفع میں کما لیا تھا۔ اور جلد ہی وہ مالدار بن گئے۔[22] اس

---

[21] ابن سعد، سوم ص ۱۲۵-۶ [22] ابن سعد، سوم ص ۱۲۵-۶۔ اصابہ مذکورہ بالا نیز دیکھو: مارگولیتھ ص ۹۹-۱۰۰، شبلی، اول ص ۲۸۶-۸۷۔

اگرچہ یہ واقعہ بہت مشہور اور مقبول عام و خاص ہے اور شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کی دو مستند ترین روایات کی بنیاد پر بیان کیا ہے اس لئے روایتی معیار پر وہ کھرا اترتا معلوم ہوتا ہے لیکن درایتی لحاظ سے کچھ سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں - اول یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مواخات کے رشتہ سے پہلے حضرت سعد بن ربیع کے مہمان بن چکے تھے اور ہجرت اور مواخاۃ کے درمیان خاصہ وقفہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ پہلی بار حضرت سعد کے گھر نہیں گئے تھے لہٰذا ان سے واقف تھے اور حضرت سعد کی یہ پیشکش مواخاۃ کے بعد ہوئی تھی۔ لہٰذا مواخاۃ سے پہلے وہ مہاجر صحابی کیا کرتے رہے تھے؟ دوم یہ کہ اتنے دنوں کے قیام میں وہ مدینہ کے کوچہ و بازار سے واقف ہو چکے تھے اگر پہلے نہ تھے اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے ماہر تاجر سے بالخصوص اور شامی تجارت سے متعلق کسی بھی مکی تاجر سے بالعموم یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ مدینہ کے بازاروں اور ان کے راستوں سے واقف نہ رہا ہوگا۔ لہٰذا بازار کا راستہ وہ بھی سوق بنی قینقاع

پورے واقعہ میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ انھوں نے یہ کاروبار بلا مال لگائے محض اپنے کاروباری صلاحیت کی بنا پر کیا تھا۔ یہ واقعہ اصل میں ان کی مدنی تجارت کا نقطۂ آغاز تھا نہ کہ بوقت ہجرتِ مدینہ ان کے مفلس وخالی ہاتھ ہونے کا ثبوت۔

مذکورہ بالا تمام شواہد سے زیادہ اہم اور دلچسپ ابن اسحاق کا وہ بیان ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض بڑے گھرانے اپنے تمام افراد وارکین کے ساتھ مدینہ پہونچے تھے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی تمام جائداد منقولہ۔ نقد، اسباب، مویشی۔ ساتھ لائے تھے۔ ابن اسحاق

کا دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ حضرت سعد بن ربیع کو اپنی مبینہ دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر ان کی حضرت عبدالرحمٰن سے شادی کی پیش کش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیا مطلقہ زوجہ کو مجبور کیا جا سکتا تھا یا کیا اس کی ضمانت تھی کہ وہ صحابی مہاجر سے شادی کر ہی لیتیں۔ پھر شادی کے لئے کسی اور دختر مدینہ کو پیش کیا جا سکتا تھا؟ ان سوالات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انصار مدینہ کی مہمان نوازی اور تالیف قلب میں خاص کر اس واقعہ میں غلو سے کام لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: بخاری، الصحیح، "باب اخا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار"۔ جنھوں نے یہ روایت دو سندوں پر بیان کی ہے، ایک اسمٰعیل بن عبداللہ کی روایت ابراہیم بن سعد سے اور ان کی اپنے والد اور دادا سے۔ دوسری اسمٰعیل بن جعفر کی حُمید سے اور ان کی حضرت انس سے۔ دوسری روایت میں بازار کا راستہ بتانے والا فقرہ نہیں ہے۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مصر ۱۹۳۹ء جلد دوم ص ۲۵-۲۴، نے بخاری کی روایت کا راوی اول خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو قرار دیا ہے اور روایت انس کو صحیحین کا بتایا ہے نیز دیکھئے: ابن سعد، سوم ص ۲۴-۵۲۲، جن کے مطابق حضرت سعد نے بظاہر جنگ احد میں اپنی شہادت کے بعد ایک بیوی چھوڑی تھی نیز نسب میں بھی ایک ہی بیوی، عمرہ بنت حزم، کا ذکر ملتا ہے۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، مرتبہ علی محمد بجادی، قاہرہ (غیر مورخہ) جلد دوم ص ۹۱-۵۸۹، نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ ابن اثیر نے اسد الغابہ، تہران ۱۳۷۷ھ جلد دوم ص ۲۷۸ پر مختصراً ذکر کیا ہے۔

سے نے ایسے تین گھرانوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام ہیں: بنو مظعون/بنو جحج، بنو غنم بن دودان/اسد خزیمہ اور بنو بکیر/سعد بن لیث۔ ان تینوں گھرانوں کے تمام افراد۔ مرد، عورت، بچے۔ مدینہ ہجرت کر آئے تھے اور اپنی تمام جائداد ساتھ لائے تھے اور مکہ میں اپنے گھروں کو خالی تالا لگا آئے تھے یا یوں ہی کھلا چھوڑ آئے تھے۔[۲۳] ابن اسحاق کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محض یہی تین گھرانے نہ تھے جو اپنا سارا مال و اسباب مدینہ لے آئے تھے بلکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے خاندان اور ان سے زیادہ افراد اپنی دولت و جائداد منقولہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سیرت نگار مذکور کا زور دراصل اس امر پر ہے کہ پورے پورے گھرانے اپنے تمام افراد و اراکین اور اپنی تمام جائدادوں یا اموال کے ساتھ سوائے ان تینوں کے مکہ سے باجماعت ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ ورنہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں مہاجرین نے مسلسل ہجرت کی تھی۔ ابن اسحاق نے متعدد جگہ یہ حقیقت اجاگر کی ہے کہ مکہ کے مہاجروں نے جوق در جوق گروہ در گروہ یا باجماعت ہجرت کی تھی۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے لئے رسول کریم کے اذن عام، بنو غنم بن دودان، بنو بکیر، بنو مظعون اور بنو عدی وغیرہ کی ہجرت کے ضمن میں اس حقیقت کا مکرر سہ کرر اظہار کیا ہے۔[۲۴] ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ بنیادی طور پر اجتماعی اور باجماعت تھی یعنی مہاجرین مکہ نے نقل وطن گروہوں میں کیا تھا جو ایک فطری اور منطقی عمل تھا کہ جماعت کے ساتھ وطن کے چھوڑنے کا غم دور اور سفر کی صعوبتوں کو ہلکا کیا جا سکتا تھا۔ عام تاثر یہ ہے کہ مکی مسلمانوں نے قریش کی روک ٹوک کے سبب چھپ کر ہجرت کی تھی اس لئے وہ اکا دکا آئے تھے اور اپنا مال و دولت

---

۲۳ ابن اسحاق، ص ۲۲۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنو غنم بن دودان اپنے گھروں کو تالا لگائے بغیر چلے آئے تھے یا ان کے کواڑ کسی وجہ سے ان کے بعد کھل گئے تھے جیسا کہ سیرت نگار کے دوسرے بیان ص ۲۱۴-۲۱۵ سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ باقی دوسرے گھرانے اپنے گھروں کو مقفل کر آئے تھے۔

۲۴ ابن اسحاق ص ۲۱۳، ص ۲۱۵، ص ۲۲۶-۲۲۷ اور ص ۲۳۰ وغیرہ

نہیں لاسکے تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے باجماعت ہجرت کی تھی اور اپنے کل یا بیشتر سازو سامان کے ساتھ۔

اگرچہ ابن اسحاق یا کسی اور مورخ وسیرت نگار نے بنو غنم بن دودان، بنو مظعون اور بنو بکیر کی دولت کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس بنا پر اس کا صحیح تخمینہ لگانا ناممکن تاہم ان خاندانوں کے افراد کی کثیر یا معتد بہ تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کافی سرمایہ اپنے ساتھ لائے ہوں گے۔ ابن اسحاق نے بنو غنم کے بیس مردوں اور نو عورتوں کے نام مہاجرین میں گنائے ہیں[25] لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد کم از کم چالیس تھی[26] لیکن یہ واضح رہے کہ یہ تعداد کل افراد کی نہ تھی بلکہ ان کے بالغوں کی تھی۔ مزید یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئیے کہ بنو غنم بن دودان قریش مکہ کے دولتمند ترین خاندان بنو امیہ کے حلیف، مصاہرت کے رشتہ دار اور تجارت کے ساتھی تھے۔[27] اسی طرح بنو مظعون کا خاندان بھی ہجرت سے قبل قریش مکہ کے ایک ممتاز خاندان بنو جمح کا کافی دولتمند تجارت پیشہ گھرانا تھا جس میں کافی بالغ مرد و عورت شامل تھے۔ ابن سعد نے حضرت عثمان بن مظعون کے چار جوان بھائیوں اور ایک فرزند کا ذکر بدری صحابہ میں کیا ہے۔[28] اسی سے ان کی تعداد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے ساتھ ان کے خاندان کے متعدد افراد کے علاوہ ان کے بھائی زید، سراقہ بن معتمر کے دو فرزند، حضرت عمر کے داماد خنیس بن حذافہ سہمی، ان کے تین حلیف بنو تمیم اور بنو عجل بن لجیم سے، بکیر کے چار فرزند اور موخر الذکر کے بنو سعد بن لیث کے حلیف بھی آئے تھے۔[29] ظاہر ہے کہ یہ حضرت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے علاوہ تھے۔ ایک موٹے سے اندازہ کے مطابق فاروقی قافلہ مہاجرین

---

[25] ابن اسحاق ص ۲۱۵ [26] ابن سعد، سوم ص ۸۹، ۹۷، ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ ۱۹۴۸ء، ص ۲۰۰-۱۹۹ [27] ایضاً [28] ابن سعد، سوم ص ۳۹۶
[29] ابن اسحاق ص ۲۱۸۔

میں کل افراد کی تعداد کسی طور سے چالیس پچاس سے کم نہ رہی ہوگی۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ جب حضرت عمر اپنی کل دولت ساتھ لائے تھے تو ان کے اہل خاندان اور ان کے حلفاء و موالی بھی اپنا سارا مال و اسباب مدینہ لانے میں کامیاب رہے ہوں گے۔ حقائق و قرائن سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ مہاجرین کے بڑے قافلوں سے غالباً قریش مکہ نے تعرض کرنے کی ہمت نہیں کی تھی یا جان بوجھ کر مصلحتاً نظر انداز کر دیا تھا اور اس طرح ان مہاجرین کو اپنا سارا مال و اسباب لانے کا موقع مل گیا ورنہ بنو مظعون، بنو بکیر، بنو غنم اور عدی کے علاوہ متعدد دوسرے خاندان، گھرانے یا قافلے یوں اپنا کل مال و دولت ساتھ مدینہ نہ لا سکے ہوتے۔

اسی ضمن میں ابن سعد کی ایک روایت بیان کر دی جائے جس سے مزید تائید ہوتی ہے کہ سب ہی مہاجرین مکہ بے سر و سامان مدینہ نہیں پہونچے تھے۔ حضرات عمر اور عبداللہ فرزندان ابی عاتکہ اور نافع کی روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کی عام اجازت دے دی تو مکہ سے مسلمان با جماعت (رُسَالاً) نکلنے لگے۔ وہ کسی جگہ جمع ہو جاتے اور قافلے بنا کر سفر پر چل پڑتے۔ راویوں کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت نافع مولی ابن عمر سے پوچھا کہ مہاجرین نے پیدل سفر کیا یا سواری پر؟ حضرت نافع نے جواب دیا: دونوں طرح۔ صاحبان استطاعت سواری پر آگے پیچھے یا باری باری بیٹھ کر جاتے تھے اور بے وسیلہ پا پیادہ۔[۳۰] ظاہر ہے کہ یہ صاحبان استطاعت (اهل القوة) اپنے ساتھ اپنی دولت اور اپنا ساز و سامان بھی لے گئے ہوں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ کی ناداری اور مفلسی کی شہرتِ عام کا ایک سبب بعض واقعات پر ضرورت سے زیادہ زور دینے اور ان کو عمومی رنگ دینے کا جذبہ بھی رہا ہے۔ مثلاً حضرت صہیب بن سنان، جن کو غلطی سے رومی سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ وہ عرب

---

[۳۰] ابن سعد، سوم ص۲۷۱ نے یہ بیان حضرت عمر کی ہجرت کے ضمن میں دیا ہے۔

تھے، کا واقعہ ہے۔ ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب حضرت صہیب عازم ہجرت ہوئے تو قریش نے ان کی روک ٹوک کی کہ "تم ہمارے پاس بے نوا فقیر و مسکین آئے تھے اور ہمارے درمیان رہ کر دولت اکٹھا کر لی اور اب تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ سارا مال لے جاسکو گے، خدا کی قسم! یہ نہیں ہوگا۔" حضرت صہیب ہجرت کے اتنے مشتاق تھے کہ انھوں نے اپنی ساری دولت قریش کو دے دی اور ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے[۳۱]۔ حضرت صہیب کے واقعہ کے بارے میں مذکور متعدد روایتوں سے بالعموم اور ابن ہشام کی روایت سے بالخصوص یہ واضح ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ کے اس روک ٹوک کرنے والی جماعت کو حضرت صہیب کی اس دولت کو ساتھ لے جانے پر اعتراض و تکلیف تھی جو انھوں نے اہالیانِ مکہ کے درمیان رہ کر کمائی تھی۔ ان کو صحابی موصوف کے ہجرت کرنے پر اتنا اعتراض نہ تھا اور بلا مال و دولت ساتھ لئے نقلِ وطن کرنے پر بالکل اعتراض نہ تھا بلکہ انھوں نے یک گونہ مسرت و خوشی کا اظہار کیا کہ یوں ایک خطیر دولت مفت ہاتھ آئی تھی۔ اسی سے یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر حضرت صہیب چھپ کر ہجرت کرتے تو شائد اپنی ساری دولت نکال لاتے لیکن ان کو اپنی ہجرت اور اپنے پیغمبر سے ملاقات اتنی محبوب و عزیز تھی کہ دولت ان کے سامنے ہاتھ کا میل تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ اس جیسے اکا دکا واقعات سے یہ عمومی نتیجہ نکال لیا گیا کہ تمام مہاجرینِ مکہ عالمِ بے سروسامانی میں مدینہ پہونچے تھے[۳۲]۔

اس تصورِ خام کے بڑے دوررس نتائج نکلے۔ مسلم مورخین نے تو انصارِ مدینہ کی بے مثل مہمان نوازی اور فیاضی پر مہاجرین کے مکمل انحصار کا کلیہ نکالا مگر مستشرقینِ مغرب نے مہاجرین کی کثرتِ تعداد کی اقتصادی ابتری کو مدینہ کی غیر اطمینان بخش معیشت پر

---

۳۱ ابن اسحاق ص ۲۲۹، (ابن ہشام کی روایت ہے) نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم ص ۲۲۷-۸

۳۲ جیسے شبلی، دوم ص ۲۱۴ اور سلیمان منصور پوری اول ص ۸۷ نے نتیجہ نکالا ہے۔

حد سے زیادہ بوجھ اور اس کے نتیجہ میں غارتگری کے مقصد سے غزوات و سرایا کا ایک طویل سلسلہ شروع کرنے کا مکروہ الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا۔ انصار مدینہ کی مہمان نوازی، نصرت اسلام اور دامے، درمے، قدمے تعاون سے کسی منصف مزاج کو انکار نہیں۔ لیکن کیا یہ حقیقت تھی کہ مہاجرین نے اپنی تمام کفالت کا بوجھ اپنے انصاری بھائیوں پر ڈال دیا تھا؟ ماخذ کی تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے اور اس کا اعتراف بھی ہمارے جدید مورخین و سیرت نگار کرتے ہیں کہ مہاجرین نے مدینہ میں اپنی آمد کے معاً بعد ہی تجارت یا زراعت کا کام سنبھال لیا تھا اور اپنی روزی روٹی کمانے لگے تھے۔[۲۳] ظاہر ہے کہ مہاجرین کی کاروباری لیاقت اور تجارتی مہارت کے علاوہ ان کی تجارت کی از سر نو داغ بیل ڈالنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت سرمائے کی تھی۔ سرمائے کی فراہمی کے تین ممکنہ ذرائع تھے۔ ایک یہ کہ انصار سے مالی امداد ملتی۔ دوم یہ کہ مدینہ کے مالدار یہودی مہاجنوں سے سودی قرض لیا جاتا۔ سوم یہ کہ مہاجرین اپنی نجی دولت پر تکیہ کرتے۔ اس ضمن میں ہمارے تمام ماخذ بالاتفاق تیسرے ذریعہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا شواہد و دلائل کی روشنی میں جو صورت حال ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ مہاجرین مکہ کے تین طبقات تھے پہلا طبقہ کمزور اور سیاسی و سماجی طور پر بے اساس لوگوں جیسے حضرت صہیب بن سنان وغیرہ کا تھا۔ اس طبقہ کے مہاجرین اپنے ساتھ کچھ نہیں لا سکے تھے اسی میں اقتصادی طور پر کمزور اور نادار مسلمانوں کو شامل کر لینا چاہئے کہ وہ مکہ میں مال و دولت سے تہی تھے اور تہی دامن ہی مدینہ پہونچے۔ دوسرا طبقہ مہاجرین کا ان مکیوں پر مشتمل تھا جو خوف و ہراس کے عالم میں چھپ چھپا کر وطن سے نکلے تھے اس لئے وہ اپنے ساتھ اپنا "سب کچھ" نہیں لا سکے البتہ وہ اپنے ساتھ نقد اور زیور ضرور لائے تھے۔ اور تیسرا طبقہ جو بنیادی طور پر قریشی مہاجرین کی غالب اکثریت پر مبنی تھا اور جو مکہ میں بھی کافی متمول تھا وہ اپنی تمام جائداد منقولہ، نقد، زیور، مال و اسباب، مویشی وغیرہ سب کچھ ساتھ لے کر مدینہ پہونچا تھا اور اس طبقہ نے مدنی معیشت کو کمزور کرنے کی بجائے استحکام بخشا تھا اور اسے نئی جہتیں عطا کی تھیں۔

---

[۲۳] مثلاً ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول ص ۲۸۶، ۲۸۷ اور مارگولیتھ ص ۱۰۱-۹۶ وغیرہ